بوسنیا کیلئے مالی قربانی کی تحریک اور احباب جماعت کا والہانہ لبیک، رمضان اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں گزاریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ / مارچ ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

سنت سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور ضرورت مندوں پر شفقت کرنے میں تمام دوسرے متقیوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے اور آپؐ کی انفاق فی سبیل اللہ کی مثالیں اتنی تھیں کہ جیسے سُبک رفتار سے بادِ صبا چلتی ہو رحمتوں کا پیغام لے کر آتی ہو اور جہاں سے گزرے وہاں سے پھول کھلا دے۔ رمضان المبارک میں راوی بیان کرتے ہیں کہ اس ہوا میں مزید تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔ (بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر:۱۷۶۹) جیسے ہم جانتے ہیں کہ برساتی ہوائیں خاص جوش اور تُندی کے ساتھ چلتی ہیں۔ اسی طرح حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی رحمت اور شفقت علی الناس غیر معمولی تیزی اختیار کر لیا کرتی تھی۔ وہی سنت آپؐ کے وقت سے آج تک مسلمانوں میں جاری و ساری ہے اور وہ لوگ جو بالعموم غربا پر خرچ کرنے کی عادی نہیں بھی ہوتے۔ رمضان مبارک میں کچھ فرض نیکیوں کے بنا پر، کچھ رمضان کے مبارک کے ماحول سے اور سنت کی یاد سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے دل، اپنے ہاتھ غریب بھائیوں کے لئے کھول دیتے ہیں۔

جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے اس سنت کی بہت ہی اخلاص کے ساتھ پابند ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں شاذ ہی کوئی ایسی جماعت ہوگی جو من حیث الجماعت اس قدر اہتمام کے ساتھ اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر انفاق فی سبیل اللہ کے نمونے دکھاتی ہو اور رمضان المبارک میں

جس میں غیر معمولی تیزی نہ آ جاتی ہو۔ چنانچہ بوسنیا کے لئے جو میں نے تحریک کی تھی اُس میں رمضان سے ذرا پہلے کی بات ہے۔ رمضان کے مہینے میں اُس نے میری مدد کی اور اللہ کے فضل سے جماعت نے جس رنگ میں اُس پر لبیک کہا ہے وہ قابل رشک ہے اور باقی سب دنیا کی ان جماعتوں کے لئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، انسانی ہمدردی میں خرچ کرنا چاہتی ہیں ایک نمونہ ہے۔ اُس کے علاوہ اس مہینہ میں میں جانتا ہوں کہ انفرادی طور پر بھی اور خاندانی طور پر بھی اور جماعتوں کے اجتماعی طور پر بھی غریب بھائیوں کی بہبود پر بہت کچھ خرچ کیا جاتا ہے۔ ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ یہ خرچ محض للہ ہو اور اللہ کی رضا کے سودے کئے جائیں، نہ کہ نفس کی انا کے اور جو کچھ بھی ہو خدا کی خاطر ہو بندوں کو دکھانے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی رضا جیتنے کی خاطر ہو۔

مختصراً میں بوسنیا کی تحریک سے متعلق چند اعداد و شمار رکھتا ہوں تاکہ وہ جماعتیں جو ابھی تک اس قربانی میں پوری طرح شریک نہیں ہو سکیں۔ اُن کو بھی ایک تحریک پیدا ہو اور باقی اپنے دوسرے بھائیوں سے آگے بڑھنے کی روح ان کے اندر بھی جولانی دکھائے جب سے میں نے یہ اعلان کیا کہ باقی دوسرے متموّل صاحبِ حیثیت دوستوں کے لئے تحریک کی خاطر میں اپنا وعدہ ایک ہزار پاؤنڈ سے بڑھا کر چھ ہزار پاؤنڈ کرتا ہوں۔ اللہ کے فضل سے ہر طرف سے اس اعلان پر بہت ہی مثبت نتائج کی اطلاع مل رہی ہے۔ سب سے پہلے انگلستان کی احمدی مخلص خاتون نے خطبہ جمعہ سنتے ہی اُسی وقت چھ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ اپنی طرف سے اور بچوں کی طرف سے کیا اور ادا کر دیا اور پھر ماریشس سے ایک مخلص احمدی دوست کی فیکس فوراً ملی کہ وہ اپنے اور بزرگوار کی طرف سے بارہ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ کرتے ہیں۔ پھر پاکستان میں سب سے پہلے راولپنڈی پاکستان سے لبیک ہوئی اور ایک مخلص احمدی ڈاکٹر نے چھ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ بھی پیش کیا اور ادائیگی بھی کر دی۔ پھر ایک اور احمدی ڈاکٹر کی طرف سے بھی اسی طرح وعدہ ہوا۔ پھر کراچی جماعت سے متعدد احباب کے وعدے اور وصولیوں کی اطلاع ملی۔ بعض نے چھ چھ ہزار کے وعدے کر کے ادائیگی کی، بعض نے 12 ہزار کی بھی کی اور ایک خاندان کے تین افراد نے چھ چھ ہزار یعنی -/18000 کے وعدے کئے۔ یہاں تک مجھے یاد ہے کہ ادائیگی اُس خاندان نے بھی کر دی۔ اب تک یہ رقم بڑھ کر 2,10,000 پاؤنڈ تک پہنچ چکی ہے اور یہ وعدے نہیں ہیں بلکہ وصولیاں ہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے کیونکہ اس تحریک میں الا ماشاء اللہ

جس نے وعدہ کیا اُس نے فوراً ادائیگی بھی کر دی۔ یہ جو فہرست ہے، انفرادی جنہوں نے چھ ہزار یا بعض نے بارہ ہزار یا کسی نے دس ہزار، وعدے کئے ہیں۔ اس کی تعداد 14 بن جاتی ہے اور وہ جماعتیں جنہوں نے چھ ہزار کے مجموعی وعدے یا ادائیگیاں کی ہیں اُن کی تعداد سر دست 5 ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پاکستان میں تو انفرادی طور پر وعدہ کرنے والوں کی بھاری تعداد ہے۔ 4 بیرون پاکستان سے ہیں اور 10 پاکستان سے، لیکن جماعتی لحاظ سے بھی خدا کے فضل سے پاکستان کا وعدہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ جن جماعتوں نے چھ ہزار یا اس کے لگ بھگ ادا کرنے کی توفیق پائی ہے اُن میں کینیڈا کی طرف سے جن کا 10 ہزار کا وعدہ تھا 6,022 کی ادائیگی ہو چکی ہے۔ امریکہ کی طرف سے 6737 کی، بنگلہ دیش کی طرف سے 6,195 کی، سوئٹزر لینڈ کی طرف سے 6,000 اور جاپان کی طرف سے 6000۔

دنیا کی جماعتوں میں فہرست اولیت کے اعتبار سے یعنی آگے بڑھنے کے اعتبار سے ساری تو میں پیش نہیں کر سکتا لیکن چند ایک نام دعا کی تحریک کی خاطر پیش کرتا ہوں۔ پاکستان کی طرف سے اب تک 62692 پاؤنڈ کی ادائیگی ہو چکی ہے اور برطانیہ کی طرف سے 45297 پاؤنڈ۔ اس میں سے بہت بڑی رقم وہ ہے جو احباب اور خواتین نے خود مجھے دی اور میری وساطت سے آگے مرکز میں پہنچی ہیں لیکن اس میں وہ زیور شامل نہیں ہیں جو خواتین پیش کر رہی ہیں اور مجھے یاد ہے کہ جس طرح پہلی تحریک میں یہاں خواتین نے زیور پیش کرنے کا حیرت انگیز نمونہ دکھایا تھا اب وہی نظارے اُس سے ملتے جلتے پھر دکھائی دینے لگے ہیں۔ امریکہ، جرمنی کی باری اُس کے بعد ہے اُن کی طرف سے 44758 پاؤنڈ کی ادائیگی ہو چکی ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ کینیڈا، امریکہ، سوئٹزر لینڈ وغیرہ ان سب کی باری بعد میں آتی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ بنگلہ دیش جس پر بہت زیادہ مالی بوجھ ہے اور چونکہ وہاں مسجدیں جلائی گئیں اور بھاری نقصان جماعت کو پہنچا اور بڑی قربانی کی روح دکھاتے ہوئے خدا کے فضل سے اپنی ضائع شدہ نقصان والی جائیداد کو بحال کیا، بہت خرچ کیا اور بہت محنت کی لیکن اس تحریک میں فوری طور پر اُن کی طرف سے 6000 پاؤنڈ سے زائد کی وصولی کی اطلاع ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں بہترین جزا دے اور اُن کے اموال میں اور بھی برکت دے۔

زیوروں کا پیش کرنا خدا کے فضل سے ایک اپنا اثر رکھتا ہے اور جب کوئی خاتون عموماً خواتین کو زیوروں سے پیار ہوتا ہے، بڑی محنت سے، بڑے شوق سے بناتی ہیں۔ جب کوئی خاتون اپنا زیور پیش کرتی ہیں تو دل پر جو اُس کا اثر ہے، وہ ایک خاص اثر ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ اثر پیش کرنے والے کے دل پر ہوتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (النساء:۹۲) قرآن کریم فرماتا ہے کہ تم نیکی کو پا نہیں سکتے جب تک وہ چیز خرچ نہ کرو جس سے تمہیں محبت ہو کیونکہ خدا کی محبت کی خاطر خرچ کرتے ہو اور اگر محبوب چیز پیش نہیں کرو گے تو کیا پتا کہ تمہیں خدا سے کیسی محبت ہے؟ تو نیکی کی ایسی پیاری تعریف فرما دی جو میرے علم کے مطابق کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ نیکی ہے ہی وہی کہ خدا کی راہ میں وہ پیش کرو جس سے تمہیں محبت ہو۔ تو عورتوں کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ انسانی تعلقات کے بعد زیور سے محبت رکھتی ہیں اور اس کا کسی قوم سے تعلق نہیں سب دنیا میں ایک ہی حال ہے۔ ان کا زیور پیش کرنا لازماً زیور سے بہت بڑھی محبت کے نتیجے میں ہوسکتا ہے۔ پس جب وہ زیور پیش کرتی ہیں خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو خالصةً اللہ کی محبت میں ایسا کرتی ہیں۔ اُس کے نتیجے میں اُن کے دلوں میں جو پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی قیمت نہیں، کوئی مول نہیں ڈالا جا سکتا۔ ایسا زیور پیش کرنے والیاں ایسی لذت محسوس کرتی ہیں کہ پھر بعد میں پچھتاتی نہیں ہیں کہ ہم نے کیوں پیش کر دیا اور بعد میں یہ تمنا رکھتی ہیں کہ کاش دوبارہ ہو تو پھر پیش کریں۔ چنانچہ اس کی ایک مثال میں لندن کی ایک خاتون کے خط سے پیش کرتا ہوں۔ وہ لکھتی ہیں کہ دو ماہ قبل مجھے تحفہ میں زیورات دس چوڑیاں، اُس کے علاوہ ایک سیٹ ملے تھے جو بھجوا رہی ہوں۔ اس سے قبل بھی عاجزہ اپنا سارا زیور کسی تحریک میں دے چکی ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ اُس نے پھر مجھے یہ زیور دیا اور پھر مجھے اس قربانی کی توفیق عطا فرمائی کہ زیور کو ضرور قبول فرمائیں۔ عاجزہ کا شکریہ۔

تو اس جذبے سے جماعت احمدیہ کی خواتین اللہ کی راہ میں قربانیاں پیش کر رہی ہیں اور چونکہ رمضان کے مہینے میں خصوصیت سے یہ قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ رمضان کی برکتوں میں سے بھی یہ قربانی پیش کرنے والے بہت زیادہ حصہ پائیں گے۔

اب رمضان المبارک سے متعلق بعض دوسری نصائح آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ

سلسلہ چل رہا تھا کہ رمضان کی برکات کیا ہیں، رمضان سے کیا فوائد وابستہ ہیں، کس طرح انسان کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہئے، اس ضمن میں چند احادیث نبویہ آپ کے سامنے تشریحات کے ساتھ رکھتا ہوں۔

حضرت امام بخاری کتاب الصوم باب هل يقال رمضان او شهر رمضان ۔اس باب میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔'' یہاں ترجمہ کرنے والے نے غالباً غلط ترجمہ کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے یہی تو بحث امام بخاری نے اٹھائی تھی۔ رمضان کو رمضان کہا جائے یا رمضان کا مہینہ کہا جائے۔ اُس بحث کے حل کے طور پر یہ حدیث لے کے آئے ہیں۔ اور جس کے الفاظ یہ ہیں کہ **اذا جاء رمضان فتحت ابواب الجنة** کہ جب رمضان آجائے تو پھر جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یعنی حضرت رسول اکرم ﷺ اسے لازماً رمضان کا مہینہ نہیں کہا کرتے تھے بلکہ رمضان نام ہی اس مہینے کا ہے۔ بہر حال مراد یہ ہے کہ اُن کو تو اس بات سے غرض تھی اس وقت امام بخاری کو کہ یہ ثابت کریں کہ اکیلا رمضان کہنا درست ہے یا غلط یا رمضان کا مہینہ کہنا ضروری ہے۔ لیکن جو بات اس حدیث میں ہے وہ اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ رمضان کو رمضان کہیں یا رمضان کا مہینہ کہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

اب جہاں تک بوسنیا پر ظلم کرنے والے شیطانوں کا تعلق ہے وہ تو جکڑے نہیں گئے۔ یہاں تک دنیا کے مشرقی اور مغربی ممالک میں خدا تعالیٰ سے بغاوت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمودات سے اور انسانی قدروں سے بغاوت ہو رہی ہے اور ہر جگہ انسانیت کے نام پر بہیمیت کے کھیل کھیل رہی ہے اُس میں تو کوئی کمی آتی دکھائی نہیں دے رہی۔ خود مسلمان ممالک میں بھی ہر شخص نہ روزے رکھتا ہے، نہ روزے کے دوران روزے کے حقوق ادا کرتا ہے، نہ روزے کے بعد روزے کے حقوق ادا کرتا ہے۔ بعض ممالک میں رواج یہ ہے کہ ساری رات گانے کی مجالس لگتی ہیں، ناچ گانا ہوتا ہے اور خوب عیش و عشرت کے نظارے دکھائی دیتے ہیں اور پھر سحری کے وقت کچھ کھا کر روزہ شروع کر دیا

جاتا ہے تو یہ شیطان کی قید کے کوئی نمونے نہیں ہیں۔ پھر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی کیا مراد ہے کہ شیطان قید کر دیا جاتا ہے اور جہنم کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں اور ظاہر بات ہے کہ یہی معنی ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو رمضان سے فائدہ اٹھائے اور اٹھانا چاہے اُس کے لئے خدا تعالیٰ یہ سامان فرماتا ہے، اُس کی غیر معمولی مدد فرماتا ہے۔ عام حالات میں بدی سے بچنے کی اتنی توفیق نہیں مل سکتی جتنی رمضان کے مہینے میں مل سکتی ہے۔ کم سے کم چوبیس گھنٹے میں سے آدھا دن تو باندھا جاتا ہے اور جب وہ بدیوں سے باندھا جاتا ہے تو حقیقت میں اُس کا شیطان باندھا جاتا ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک نفس امارہ اور ایک شیطان ہے جب اُس کے ہاتھ باندھے جائیں تو شیطان باندھا گیا ہے۔ اُس کو زنجیریں پہنا دی گئیں تو اُنہی زنجیروں کی یاد اُس کو روزے کے بعد بھی بدیوں سے باز رکھتی ہے۔ ان معنوں میں جو شخص رمضان سے فائدہ اٹھانا چاہے جو خدا کی خاطر بدیوں سے رکنا چاہے اور نیکیوں میں آگے بڑھنا چاہے اُس کے لئے یہ مہینہ یہ پیغام لاتا ہے کہ شیطان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور نیکیوں میں ترقی کے نتیجے میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ بدیوں سے رکنے کے نتیجے میں جہنم کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ یہ تو اُس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو فائدہ اٹھانا چاہے اور جو مسلمان اس مہینے سے گزرتا ہے اور نہ اُس کا شیطان باندھا جاتا ہے، نہ اُس کے جہنم کے دروازے بند ہوتے ہیں، نہ اُس کے لئے جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اُس کے لئے بہت بڑی تنبیہ ہے کہ خدا کی طرف سے بخششوں کا موسم بھی آیا، اصلاح نفس کے حالات سازگار کئے گئے اور اس کے باوجود کچھ بدنصیب ایسے ہیں جن کے جہنم کے دروازے اُسی طرح کھلے رہ جاتے ہیں اور جن کے شیطان کو ہتھکڑیاں نہیں پہنائی جاتیں۔ پس اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نصیحت ہے کہ عام حالات میں بدیاں بُری بات ضرور ہیں لیکن رمضان کے مہینے میں بدی اختیار کرنا ایک غیر معمولی بُرائی بن جاتی ہے اور نیکیوں سے محرومی اس مہینے میں عام محرومیوں سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ بھی بخاری کتاب الصوم سے حدیث لی گئی ہے۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قال عزوجل : کل عمل ابن اٰدم لہ الا الصیام فانہ لی و انا اجزی بہ (بعض روایتوں میں

اُجزیٰ به کا ذکر ملتا ہے۔) **والصیام جنة فاذا کان یوم صوم احدکم فلایرفث و لایصخب فان سابّه احد او قاتله فلیقل: انی صائم. والذی نفس محمد بیده لخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسک. للصائم فرحتان یفرحهما، اذا افطر فرح و اذا لقی ربه فرح بصومه.** (بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر: ۱۷۷۱) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے **کل عمل ابن اٰدم له** انسان کا ہر عمل اُس کی خاطر ہوا کرتا ہے **الا الصیام** سوائے روزے کے۔ روزے اُس کے لئے نہیں ہوتے **فانه لی** وہ میری خاطر ہوتے ہیں۔ **و انا اجزی به** اس کا ترجمہ ایک یہ بنتا ہے کہ میں اُس کی جزاء دیتا ہوں اور دوسری روایت کے مطابق میں خود اُس کی جزاء ہوں۔ **والصیام جنة** روزے تو ڈھال کی طرح ہوتے ہیں۔ **فاذا کان یوم صوم احدکم فلایرفث و لایصخب** جب بھی انسان کو روزے کا دن نصیب ہو، اُس دن وہ بیہودہ گوئی سے کام نہ لے اور شور و شر سے پرہیز کرے۔ اگر اُسے کوئی شخص گالی دے یا اُس سے لڑائی کرے تو اُسے یہ کہے کہ میں تو روزے دار ہوں۔ وہ ذات جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے حضور مشک کی خوشبو سے بہت بہتر ہے۔ **للصائم فرحتان** روزے دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں۔ ایک وہ جب وہ روزہ کھولتا ہے تو فرحت سے لبریز ہو جاتا ہے اور دوسری خوشی جب وہ اپنے رب کو پالیتا ہے۔

اس حدیث کے تعلق میں بعض وضاحتیں ضروری ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ فرمایا گیا کہ ہر نیکی انسان اپنے لئے کرتا ہے اور یہ نیکی جو ہے یہ اللہ کی خاطر ہے اور اللہ اس کی جزاء ہے یا اللہ اس کی جزاء دیتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا نمازیں اپنے نفس کے لئے پڑھی جاتی ہیں؟ کیا خدا کی راہ میں خرچ اپنے نفس کے لئے کیا جاتا ہے؟ کیا بنی نوع انسان کی دوسرے رنگ میں خدمت کرنا انسان اپنے نفس کی خاطر کرتا ہے؟ اور صرف روزہ خدا کی خاطر رکھتا ہے۔ یہ تو قابل فہم بات ہی نہیں ہے۔ اس لئے عام طور پر جو لوگ اس حدیث کو پڑھ کر گزر جاتے ہیں، غور نہیں کرتے وہ ایک اہم بنیادی نکتے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جس حقیقت کی طرف اس میں اشارہ فرمایا گیا ہے اُس حقیقت کو سمجھے

بغیر عام طور پر لوگ اس حدیث سے گزر جاتے ہیں اور یہ ایک مشکل مسئلہ ہے جسے ٹھہر کر اور غور کر کے سمجھنا چاہئے۔

میں نے اس پر غور کیا اور جب سمجھ نہ آئی تو پھر دعا کی کہ اے اللہ تو ہی سمجھا۔ آخر یہ کیا فرق ہے؟ کیوں خدا تعالیٰ نے ایسی عجیب بات فرمائی کیونکہ یہ حدیث قدسی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خدا کی طرف منسوب فرمائی ہے۔ اس لئے اللہ ہی نے فرمایا ہے جو آپؐ نے آگے ہم تک پہنچایا۔ تو مجھے اس کا ایک مضمون سمجھ آیا اور میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح میرے دل کے لئے اطمینان کا موجب بنا آپ کے لئے بھی مطمئن کرنے کا موجب بنے گا۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ لقا اس کی جزا بتائی گئی ہے اس نیکی کی، خدا سے ملاقات اور دوسری جگہوں سے ثابت ہوتا ہے ویسے بھی انسان اپنی عقل سلیم سے جانتا ہے کہ مرنے کے ساتھ لقاء کا تعلق ہے۔ جو انسان مر جاتا ہے اسے لقاء باری تعالیٰ نصیب ہوتی ہے۔ مرنا دونوں طرح سے ہوتا ہے روحانی لحاظ سے بھی اور جسمانی لحاظ سے بھی اور جب انسان مرتا ہے تو قرآن کریم سے قطعی طور پر ثابت ہے وہاں سے لقاء شروع ہو جاتی ہے یعنی روحانی لقاء تو زندگی میں ہی شروع ہو جاتی ہے لیکن مرنے کے بعد تو ہر شخص خدا کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ میں نے غور کیا کہ جتنی دوسری نیکیاں ہیں وہ نیکیاں اگر جاری رکھی جائیں یا اُن میں انتہاء کر دی جائے تو اُس کے نتیجے میں آگے مر نہیں سکتا۔ نمازیں پڑھتا ہے سارا دن نمازیں پڑھے۔ کھانا اگر نہیں چھوڑتا اور پانی نہیں چھوڑتا تو مرے گا نہیں۔ اگر ایک انسان خدمت خلق کرتا ہے تو بے شک جتنی مرضی چاہے کرے اس کے نتیجے میں مر نہیں سکتا ہے۔

روزہ ایک ایسی چیز ہے جس کے نتیجے میں زندگی کے واجبات انسان اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے اور اگر روزہ لمبا کر دیا جائے دو تین چار پانچ دن کے عرصے کے اندر انسان کا انجام لازماً موت ہے۔ پس اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اگر روزے کی نیکی کو بڑھائے، لمبا کرے تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔ اُس سے کم درجے پر یہ سفر پھر ختم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ ہر نیکی کو اپنے منتہا تک پہنچنے سے پہلے اپنے فضل سے روک دیتا ہے۔ فرماتا ہے باقی جزاء میں اپنے فضل سے دوں گا۔ نمازیں جتنی پڑھتے ہیں اگر اتنی ہی جزاء ہمیں ملے تو ایک انسان کی ساری عمر کی نمازیں اگر ملا لی جائیں تو زیادہ سے زیادہ بیس سال کی عبادت کہہ سکیں گے آپ اس کو جو بہت ہی

عبادت کرنے والے ہیں۔ان کی بیس سال کی بن جائے گی۔بیس سال کے بعد اُس کی نیکی ختم اُس کی جزاء ختم۔پر اللہ تعالیٰ اُسی نیکی کو اس طرح آگے بڑھا دیتا ہے کہ گویا وہ ہمیشہ کے لئے جاری ہو گئی اور جو جزاء اُس ہیشگی کے نتیجے میں ملنی چاہئے وہ عطا ہوتی ہے۔پس نمازوں کی جزاء بھی اس طرح ملتی ہے اور دوسری نیکی کی جزاء بھی اس طرح ملتی ہے لیکن کسی نیکی کے نتیجے میں چونکہ موت مقدر نہیں ہوتی اگر اُسے بڑھا لیا جائے اس لئے وہ جزاء نہیں ملتی اُسے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ خود اُس کی جزاء ہے۔یہ نیکی اگر تم زیادہ کرو گے تو میں آگے کھڑا ہوں گا تو فرمایا تم نے میری خاطر گویا موت قبول کر لی ہے۔ اگر روزہ بڑھ جائے اور لمبا ہو جائے تو لازماً تم مر جاؤ گے، ایک مرن برت بن جائے گا اور مجھ سے ملنے کی خاطر جان دے رہے ہو گے گویا کہ میں تمہارا قربانی کا وقت چھوٹا کر دیتا ہوں لیکن تمہاری قربانی کی روح قبول کر لیتا ہوں کیونکہ روزے کے فاقوں کے نتیجے میں کیونکہ تم نے لازماً مجھ تک ہی پہنچنا تھا اس لئے میں نیکی کی مشقت کو کاٹ دیتا ہوں اور جزاء بن کر خود آ جاتا ہوں کہ اچھا ملاقات کرتے ہیں اور یہ ملاقات جو ہے آخرت کے لئے مقدر نہیں ہے، اس دنیا میں ہونی چاہئے۔یہ مضمون ہے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کیونکہ آخرت کی ملاقات تو ہر مرنے والے کی ہونی ہی ہونی ہے۔ روزے کی جزا خدا خود تب بنتا ہے کہ وہ خود آ کر کھڑا ہو اور خود ملاقات کے لئے جلوے انسان پر ظاہر فرمائے۔

یہی وہ مضمون ہے جس کا اُس آیت کریمہ میں ذکر ملتا ہے جو میں نے آپ کے سامنے پہلے تلاوت کی تھی۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي (البقرہ:۱۸۷) رمضان کے روزے رکھو گے تو میرا وعدہ ہے کہ میں لقاء کے لئے آ جاؤں گا۔تم اپنی کوشش سے جو بات حاصل نہیں کر سکتے میں اپنے فضل سے تمہیں عطا کر دوں گا اور رمضان کا آخری مقصد لقاء باری تعالیٰ ہے یعنی خدا کی راہ میں اُس سے ملنے کی خاطر جان گنوا بیٹھنا۔بعینہٖ اسی آیت کے مضمون کے مطابق آنحضرت ﷺ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی جزاء میں خود بنوں گا کیونکہ اگر یہ نیکی لمبی ہو تو انسان نے مرنا ہی مرنا ہے پھر۔جو میری خاطر جان دینے پر تیار ہو جائے۔میں کیوں اُس سے ملاقات نہ کروں۔پس ہمارے روزوں کی قبولیت کا نشان یہ ہے کہ رمضان مبارک کے اختتام سے پہلے پہلے ہم اللہ کے جلووں کے

نظارے دیکھیں، قرب الٰہی کی لذت محسوس کریں اور کسی نہ کسی رنگ میں لقا سے لذت یاب ہوں۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ خدا ایک ہی طرح ہر ایک کو دکھائی دے۔ نبیوں سے بھی خدا کا مختلف معاملہ ہے۔ جس شان کا جلوہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کے عرش پر اترا ہے ویسا جلوہ تو کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا مگر ہر نبی نے دیکھا تھا، کچھ نہ کچھ تو دیکھا تھا۔ بغیر لقا کے نبوت ہو ہی نہیں سکتی۔ پس یہ ضروری نہیں کہ لقا ایک ہی طرح کی ہو مگر کچھ نہ کچھ لقا ضروری ہے اور یہ نشان ہوگا اس بات کا عملی ثبوت ہوگا کہ ہمارا رمضان مقبول ہوا اور اگر ہمیں لقائے باری نصیب نہ ہو تو پھر وہی بات اطلاق پائے گی کہ

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

دوسری بات اس حدیث نبویؐ میں جو فرمائی گئی ہے خاص طور پر قابلِ غور۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسے کستوری کی خوشبو ہو۔ اس بات نے میری ایک اور ذہنی الجھن کا حل کر دیا۔ میں سوچا کرتا تھا کہ انسان روزے کے وقت اپنے حواس خمسہ میں سے ہر چیز کی قربانی پیش کرتا ہے سوائے ناک کے۔ ناک سے سانس لیتا ہے، خوشبوئیں سونگھتا ہے اُس سے کوئی پرہیز نہیں۔ باقی سب حواس خمسہ کی قربانیاں ہیں یہ کیا وجہ ہے؟ روزہ تو یہ مفہوم پیش کرتا ہے کہ سب کچھ جسم کا جو کچھ خدا نے عطا کیا ہے سب خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ خرچ ہو رہا ہو۔ اس حدیث نے یہ مسئلہ حل کر دیا، بد بو سونگھتا ہے اپنی۔ ایک نفیس طبیعت کے لئے ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ اپنی بھی سونگھتا ہے اور اپنے بھائیوں کی بو بھی سونگھتا ہے۔ رمضان مبارک میں جو قریب سے بعض دفعہ بے احتیاط لوگ آ کے ایک دم بات کرتے ہیں تو منہ سے ایک دم بھبکہ اٹھتا ہے جو روزے کے نتیجے میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک معدے کی کچھ خرابی ہوتی ہے جن لوگوں کو فاقوں کی عادت نہ ہو۔ اُن کے معدے میں گیسیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ خون میں ملتی ہیں۔ پھر خون کے ذریعے جب Lungs میں سے خون گزرتا ہے یعنی پھیپھڑوں میں سے تو سانسوں میں بو آ جاتی ہے اور کچھ منہ کے اندر ویسے بند رہنے سے بو آ جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ مسئلہ حل فرما دیا کہ تمہاری قوت شامہ بھی اس قربانی میں شامل ہے اور جب تم روزے کے نتیجے میں اپنی بو کی تنگی محسوس کرتے ہو یا دوسروں کی

بوئیں سونگھتے ہو تو یاد رکھو چونکہ یہ خدا کی خاطر ہے اس لئے اللہ کے نزدیک یہ بو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ روزے میں یاد رکھیں انسان کو جتنی بھی خدا تعالیٰ نے طاقتیں ودیعت فرمائی ہیں، صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اُن سب کی قربانی شامل ہوتی ہے قوتِ شامہ سمیت۔

پھر اس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب روزہ رکھو تو بیہودہ گوئی سے پرہیز کرو اور شور وشر سے پرہیز کرو۔ بعض لوگوں کو بیہودہ گوئی کی عادت ہوتی ہے، یا وہ گوئی جس کو کہتے ہیں اور عام بات کرتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ بیہودہ کلام کر دیتے ہیں، بعضوں کو گالیاں دینے کی عادت ہے۔ ہمارے ملک میں تو اتنی عادت ہے کہ زمیندار ہل چلاتے وقت اپنے جانور کو بچارے کو خواہ مخواہ ہی گالیاں دیتا رہتا ہے۔ وہ بیل بیچارہ محنت کر رہا ہے، اُس کی سوٹیاں کھاتا ہے، گندی گالیاں بھی، ایسا لغو طریقہ ہے۔ یہ شاید ہی دنیا کی کسی قوم میں رواج ہو۔ ہماری قوم میں تو خوب پایا جاتا ہے یعنی پاکستان میں اور ہندوستان میں اور شاید بنگلہ دیش میں بھی پایا جاتا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا کہ روزے کے وقت خصوصیت سے توجہ کرو تمہاری زبان پاک وصاف رہنی چاہئے۔ تو مراد یہ نہیں ہے کہ روزہ ختم ہوا اور گالیاں شروع ہو جائیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ بھی ایک ورزش کا زمانہ ہے۔ اس پہلو سے بھی ورزشیں کرو کہ خدا تمہیں پاک وصاف زبان عطا کرے۔ روزے میں جب تم محنت کرو گے اپنے آپ کو روک کے رکھو گے تو انشاء اللہ بعد کی زبان بھی پاک وصاف رہے گی۔

شور وشر نہ کیا کرو بے وجہ اور اگر کوئی تمہیں کوئی گالی دے تو اُس کے جواب میں کہا کرو کہ میں روزہ دار ہوں۔ یہ جو خصوصیت سے نصیحت ہے اس لئے بھی ہے کہ بھوک کے نتیجے میں انسان کے لئے غصہ برداشت کرنا زیادہ مشکل ہو جایا کرتا ہے اور عام لوگ جو بغیر بھوک کے زبان صحیح رکھتے ہیں۔ وہ بھوک کے وقت بعض دفعہ جلد ہی وہ بے قابو ہو جاتے ہیں اور کسی ناپسندیدہ بات کو برداشت نہیں کر سکتے تو یہ میرا بھی ذاتی تجربہ ہے کہ روکنا پڑتا ہے اپنے آپ کو۔

پس آنحضرت ﷺ کی ہر نصیحت گہری انسانی نفسیات کے مطالعہ پر مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو الہام کا نور نازل ہوا۔ اُس نے آپؐ کی اس فطری روشنی کو اور بھی زیادہ روشن تر کر دیا۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط (النور: ۳۶) کا نظارہ ملتا ہے آپؐ کی نصیحتوں میں۔ پس انسانی فطرت کے گہرے راز آپؐ پر روشن تھے۔ اُن کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپؐ نے نصیحتیں فرمائی ہیں۔ اس لئے صرف وہ

شخص پیش نظر نہیں جو بدکلام ہو۔ عموماً پاک کلام کرنے والوں کے لئے بھی ایک امتحان کا وقت ہے خطرے کا وقت ہے، خطرے کے مقامات ہیں۔ رمضان مبارک میں خصوصیت سے روزے کے دوران اپنی زبان کی نگرانی کیا کریں۔

صحیح بخاری کتاب الصوم سے ایک اور حدیث پیش کرتا ہوں۔ حضرت سہلؓ سے روایت ہے ''آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریّـــان کہتے ہیں۔ قیامت کے دن روزے دار اُس سے داخل ہوں گے اور اُن کے سوا کوئی اُس میں سے داخل نہیں ہوگا۔ پوچھا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور جب وہ داخل ہو جائیں گے۔ وہ بند کر دیا جائے گا اور پھر اُس سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ ریـــان لفظ جو ہے اس میں اس بات کی کنجی ہے کہ کیا ثواب خصوصیت سے ان کو دیا جائے گا، کیوں اُن کے لئے ایک علیحدہ دروازہ مقدر ہے؟ ریان رَیّ سے صفت مشبہ ہے فعل سے۔ فعل ہونا ضد العطشان یعنی پیاس کا الٹ اور سیراب چہرے پہ بھی یہی لفظ اطلاق پاتا ہے۔ چونکہ انسان خدا کی خاطر بھوک کے نتیجے میں کمزوری محسوس کرتا ہے، پانی نہ پینے کے نتیجے میں ایک عطشان کی کیفیت یعنی پیاس کی کیفیت بھڑک اُٹھتی ہے بعض دفعہ اور اتنی سخت ہو جاتی ہے کہ انسان جس نے گرمیوں میں روزہ رکھے اُس کو بھی پتا ہے کہ کس قدر وہ طلب میں مبتلا ہوتا ہے تو جنت میں ایسا دروازہ مقرر فرمانا جس کا نام ریان ہے، جس کے اوپر جلّی حرفوں سے گویا لکھا ہوگا کہ یہ سیرابی کا دروازہ ہے اس میں سے لوگ داخل ہوں گے۔ جنت تو ایک ہی ہے دروازے الگ ہوں گے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا صرف یہ اعزاز ہی ہے کہ ہم اس دروازے سے آئے تھے اور پھر ایک وقت میں اور بھی تو نیکیوں کے دروازے ہیں جن میں ایک روزہ دار آگے بڑھا ہوا ہوگا۔ کیا وہ اُن سے محروم کر دیا جائے گا؟ یہ باتیں سمجھنے کے لائق ہیں۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے مختلف دروازوں کا ذکر کر کے یہ اطلاع دی ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی خاص نیکی میں امتیاز پائے گا اُسی جنت میں اُس پہلو سے اُس کو زیادہ مزا آئے گا۔ اُس کی لذت اٹھانے کی صلاحیتیں اجاگر کی جائیں گی اور جس کا مطلب یہ ہے کہ دودھ اور شہد جو بھی شکل ہے اُس کی ظاہری تو نہیں ہے لیکن جس طرح دودھ انسان کے لئے بعض غیر معمولی غذائی صلاحیتیں رکھتا ہے یا شہد رکھتا ہے، لذتیں بھی رکھتا ہے۔ اس طرح کی کوئی چیز ہے ہر شخص اُس سے ایک جیسا مزہ نہیں

اٹھا سکے گا۔ اب ایک آدمی ٹھنڈا میٹھا دودھ پیئے وہ اگر بھوکا ہے تو اُس کو اور لطف آ رہا ہوگا اور اگر اُس کا پیٹ بھرا ہوا ہے تو بعض دفعہ اُس کا دل ہی نہیں چاہے گا بلکہ دودھ پینے سے اُس کو متلی پیدا ہوگی تو بظاہر جنت کی نعمتیں ایک جیسی ہوں گی مگر جس دروازے سے انسان گزرے گا اُس دروازے کی صلاحیتیں ساتھ اندر لے کر جائے گا اور وہ شخص جس نے خدا کی خاطر بھوک اور پیاس کی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اُس کو اُسی جنت میں ان دو پہلوؤں سے باقی سب سے زیادہ مزہ آ رہا ہوگا۔ وہ زیادہ عمدگی کے ساتھ اور زیادہ لطافت کے ساتھ سیراب کیا جا رہا ہوگا۔

پس حضور اکرم ﷺ نے جو اس قسم کے مضامین بیان فرمائے ہیں۔ بعض ظاہر پرست اُن کا مطلب سمجھ نہیں سکتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بڑا فلاں گیٹ سے نکل جائیں گے، اندر داخل ہو جائیں گے جس طرح دنیا میں گیٹوں سے داخل ہوتے ہیں۔ وہ یہ بات نہیں ہے وہ بعض تاثیریں ہیں بعض غیر معمولی امتیازات ہیں جو اُن کو بخشے جائیں گے جو اُن کے ساتھ داخل ہوں گے گیٹ کے ساتھ، پیچھے نہیں رہ جائیں گے۔ پس وہ غیر معمولی لطف جو روزہ دار روزہ کھولتے وقت محسوس کرتا ہے غذا سے۔ اُس سے بہت زیادہ، غیر معمولی طور پر زیادہ جنت کی نعماء سے وہ محسوس کرے گا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ سنن ترمذی سے حدیث لی گئی ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایک روزہ بھی بغیر شرعی اجازت کے اور بیماری کے چھوڑتا ہے پھر خواہ وہ زندگی بھر روزے رکھے اُس روزے کی قضا نہیں ہے۔ قضا کا مضمون قرآن کریم میں کھول کر بیان فرما دیا گیا ہے۔ یہ دراصل اُسی سے استنباط ہے۔ فرمایا کہ یہ یہ شرطیں ہیں یہ شرطیں اگر پوری ہوں تو تم روزہ نہ رکھو اور اُس روزے کے بدلے کچھ فدیہ دے دو اور کچھ بعد میں روزہ رکھ لو۔ پس جو روزے چھوٹ گئے اُس کے بدلے بعد میں روزے رکھنے کی قضا کی اجازت ہے۔ اگر وہ شرطیں پوری نہ ہوں تو خدا کی طرف سے قضا کی اجازت ہی کوئی نہیں اس لئے جہاں اجازتیں مذکور ہو جائیں۔ اُن اجازتوں سے باہر انسان سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے، کوئی فرض چھٹ جاتا ہے، اُس کی قضا ہے ہی کوئی نہیں۔ پس روزہ چھٹنے کی کوئی قضا نہیں ہے یہ یاد رکھیں۔ یعنی اگر عمداً بطور گناہ کے روزہ چھوڑا جاتا ہے۔ رکھنے کی طاقت کے باوجود چھوڑا جاتا ہے۔ تو پھر ساری عمر بھی روزے رکھیں وہ چھٹے ہوئے روزے بحال نہیں ہو سکتے۔

سنن ابی ماجہ سے یہ حدیث لی گئی ہے۔ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ روزے تو آدھا صبر ہیں۔'' (ابن ماجہ کتاب الصیام باب فی زکوۃ الجسد) اس حدیث کا یہاں تک پہلے نصف سے تعلق ہے۔ یہ بات تو ہر انسان عام طور پر سمجھ لیتا ہے، سمجھنا آسان ہے کہ جسم کی زکوٰۃ روزے میں نکلتی ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا انسانی جسم کو جتنی صلاحیتیں خدا نے عطا فرمائی ہیں۔ اُن سب میں سے وہ کچھ خدا کی خاطر مشقت برداشت کرتا ہے اور اُن سب پر اُس مشقت کا اثر پڑتا ہے۔ کوئی بھی حواس خمسہ میں سے ایسے نہیں ہیں جن کو خدا کی راہ میں قربانی نہ پیش کرنی ہو۔ پس یہ گویا جسم کی زکوٰۃ نکل رہی ہے اور زکوٰۃ نکلنے کا جو مفہوم ہے اُس کو سمجھنا چاہئے زکوٰۃ کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ زکوٰۃ کم کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ بڑھانے کے لئے ہے اور اُن لوگوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جو یہ کہتے ہیں زکوٰۃ سے مال کم ہوتے ہیں۔ سود سے بڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سود سے کم ہوتے ہیں اور زکوٰۃ سے بڑھتے ہیں۔ یہ وہ مضمون ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ پس وہ انسان جو یہ چاہتا ہے کہ اُس کا جسم پہلے سے زیادہ صحت مند ہو جائے جب وہ خدا کی خاطر اپنے جسم کی ہر طاقت کی قربانی پیش کرتا ہے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وعدہ ہے کہ وہ زکوٰۃ شمار ہوگی اور زکوٰۃ کے نتیجے میں اُسی قسم کی چیزوں میں برکت پڑنے کا وعدہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ پس وہ جاہل جو یہ کہتے ہیں روزے کے نتیجے میں مسلمانوں کی صحتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ یہ بیوقوفی ہے اُن کی، لاعلمی ہے۔ وہ سودخوری نظام کے عادی یہی سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کے پیسے سے بھی کمزوری آتی ہے مال میں اور زکوٰۃ کے جسمانی خرچ سے بھی جسم میں کمزوری آتی ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس کے برعکس صورتحال ہے جہاں تک انسانی تجربہ ہے۔ میں اپنے تجربہ سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہر مہینے رمضان کے روزے فرض نہ ہوتے تو پتا نہیں اب تک ہم زندہ بھی ہوتے کہ نہ، صحت کا کیا حال ہونا تھا؟ کن کن مصیبتوں میں مبتلا ہوتے؟ رمضان تو تمام کھوئی ہوئی طاقتوں کو بحال کر جاتا ہے۔ جسم کو ایک نئی جان بخش دیتا ہے۔ وہ کمزوریاں جو انسان نے اپنی غفلت سے خود اپنے اوپر عائد کر رکھی ہیں۔ وہ بیماریاں جن میں انسان اپنی غلطیوں کی وجہ سے ملوث ہو جاتا ہے اور اُن کا شکار ہو جاتا ہے۔ رمضان میں دھلنی شروع ہو جاتی ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ۔ پس جو عورتیں سمجھتی ہیں کہ ہمارے بچوں کی صحت کمزور ہو جائے گی روزے نہ رکھوائے جائیں جو لوگ کہتے

ہیں غیر اسلامی ملکوں میں کہ نوجوانی کی عمر میں روزہ رکھنا مضر ہے، بالکل جھوٹ ہے۔نوجوانی کی عمر میں فرض نہیں ہے، یہ درست ہے لیکن جو رکھتے ہیں ان کو نقصان کوئی نہیں ہوتا۔

ہم نے اپنے قادیان کے ماحول میں یہی دیکھا کہ چھوٹے بچے بھی جو ۸، ۹ سال کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں جو شوق سے روزہ رکھنا چاہتے ہیں اُن کو کبھی روکا نہیں گیا تھا۔ کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ تمہاری صحت کمزور ہو جائے گی تم رک جاؤ۔ ہاں اگر کوئی زیادہ ہی جوش دکھائے اور کہے کہ میں نے سارے مہینے کے رکھنے ہیں تو اُسے پیار سے سمجھایا جاتا تھا کہ نہ کرو۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بعض دفعہ کچی عمر میں زیادہ نیکی کرنے سے نیکی سے ہی متنفر ہو جاتا ہے۔ وہاں بھی صحت کی خرابی کا خطرہ نہیں تھا۔ غالباً وجہ یہ ہوتی تھی کہ بچہ کہیں زیادہ جوش میں نیکی کر کے، نیکیوں سے نہ جائے کہیں اور نیکیوں کے خلاف ایک قسم کی بے رغبتی نہ پیدا ہو جائے۔ بہر حال ہم نے بچپن میں رکھے ہوئے ہیں۔ ۷، ۸ سال کی عمر سے شروع میں دو تین پھر ۷، ۸ بلوغت سے پہلے پندرہ بیس تک پہنچ جایا کرتے تھے اور بلوغت کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے جہاں تک مجھے یاد ہے روزے رکھنے کی توفیق ملی۔ سختیوں میں بھی، نرمیوں میں بھی، چھوٹے دنوں میں بھی، زیادہ دنوں میں بھی لیکن کوئی ایسا نقصان مجھے یاد نہیں جس نے ہمیشہ کے لئے صحت پر بُرا اثر چھوڑا ہو۔

شاید ربوہ کے ابتدائی سالوں میں جب ربوہ بنا تھا جو گرمیاں وہاں پڑی تھیں اُن کے نتیجے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ نقصان ہوتا تھا۔ مگر وہ اس طرح کہ شدید گرمی تھی اور 124 درجے تک ٹمپریچر صبح شام ٹھہر ہی جایا کرتا تھا اور بجلی نہیں تھی، کوئی پنکھا نہیں تھا تو نقصان جو پہنچتا تھا وہ اس طرح پہنچتا تھا کہ بعض لوگ چادریں بھگو کر اُن میں لپٹ کر وقت گزارتے تھے اور اُس سے اعصاب پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ پس وہ براہ راست گرمی کی سختی کے نتیجے میں نہیں بلکہ گرمی کے غلط علاج کے نتیجے میں ہوتا تھا۔ میں اس لئے وضاحت کر رہا ہوں کہ بعض لوگ جنہوں نے وہ تجربے کئے ہوئے ہیں کہ شاید کہہ دیں کہ نہیں فلاں وقت تو ہمیں نقصان پہنچا تھا۔ پہنچا تھا مگر اپنی غلطی کی وجہ سے۔ عام طریق پر جو روزہ رکھا جائے اُس سے سختی برداشت کی جائے۔ دائمی نقصان نہیں ہوا کرتا۔ سوائے اس کے کہ بیمار رکھ لے۔

ایک چیز اور بڑی دلچسپ اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ وہ ہے روزے تو آدھا صبر ہیں۔ میں نے اس پر بڑا غور کیا کہ اللہ میاں یہ آدھا صبر کیا مطلب؟ پورا صبر کیوں نہیں؟

آنحضرت ﷺ جب ایک بات بیان فرماتے ہیں تو لازماً گہری حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔ اُس نعمت کی کچھ حکمت ہمیں عطا فرما دے، سمجھا دے کہ کیا قصہ ہے۔ تو دو باتیں مجھے سمجھ میں آئیں۔ ایک یہ کہ رمضان گرمیوں کے ہوں یا سردیوں کے ہوں، کہیں روزے چھوٹے ہوتے ہیں، کہیں بڑے ہوتے ہیں لیکن پورا دور جو سردیوں اور گرمیوں کا گزرتا ہے اس کی اوسط نصف گرمی بنتی ہے۔ شمالی قطب کے قریب جائیں بعض دفعہ تو روزے چھوٹے ہونے شروع ہو جاتے ہیں لیکن اگر وہیں سال گزارا جائے تو آگے بڑے روزے بھی وہیں آجائیں گے اور دنیا میں کوئی بھی خطہ ایسا نہیں جہاں کہ روزے رکھنے والوں کی آخری اوسط نصف نصف نہ بن جائے۔ پس روزے کبھی چھوٹے کبھی بڑے لیکن اوسطاً نصف روزہ ہی بنتا ہے یعنی چوبیس گھنٹے کا نصف روزے میں کٹتا ہے تو اس لحاظ سے اسے نصف صبر کہنا بہت ہی عمدہ مبنی بر حکمت بات ہے۔

لیکن ایک اور معنی بھی مجھے اس کے سمجھ آئے کہ صبر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اُن بلاؤں پر صبر جن پر انسان کا اختیار نہیں جیسا کہ آفاتِ سماوی ہیں، جیسا کہ کسی ظالم کے ظلم ہیں، کوئی مالی نقصان پہنچا دیتا ہے، کوئی لٹیرا لوٹ کر لے جاتا ہے، کوئی جسمانی اذیتیں پہنچاتا ہے، جیسا کہ آج کل بوسنیا میں ہو رہا ہے اور بہت سے دیگر مسلمان ممالک میں یہ دکھائی دیتا ہے۔ کئی قسم کے ظلم ہیں جو ایک انسان دوسرے پر توڑتا ہے یا جنہیں آفاتِ سماوی کہتے ہیں، حوادثِ زمانہ اُن کے نتیجہ میں انسان برداشت کرتا ہے اور اُن پر اگر کوئی صبر کرے تو وہ بیرونی مصائب پر صبر کرنا کہلائے گا۔ جن پر انسان کا اختیار ہی کوئی نہیں۔ صبر کی ایک قسم ہے جو اندرونی مصائب سے تعلق رکھتی ہے جس پہ بندے کا اختیار ہے۔ مثلاً پانی ملتا ہو اور نہ پیئے۔ بھوک لگی ہو اور روٹی نہ کھائے جو مل رہی ہو، دل چاہتا ہو کسی سے پیار کرنے کو اور خدا کا حکم رستے میں حائل ہو۔ ہرگز نہیں۔ نظر آوارہ ہونے کی تمنا پیدا ہو اور خدا کا حکم روک دے کہ خبردار، زبان چاہے کہ بے لگام ہو۔ اللہ کا حکم کہے کہ ہرگز نہیں تو ہر جگہ پہرے بٹھا دیئے جائیں یہ صبر ہے اور یہ صبر طوعی صبر ہے جو انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس صبر کی جتنی تکلیفیں انسان خود اپنے اوپر عائد کرتا ہے۔ عقل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہوئے یا دل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہوئے یا جو بھی بات ہو۔ تو یہ نصف صبر ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رمضان نصف صبر ہے۔

اب دیکھیں ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ ﷺ کی باتیں کتنی گہری ہوتی تھیں۔ میں تو جب حدیثیں پڑھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ اگر تو آپ اوپر سے گزر جائیں آرام سے تو اُن حدیثوں کا حسن ویسے بھی دکھائی دیتا ہے۔ ہر بات پیاری ہے لیکن وہاں اگر ٹھہر جائیں اور اُن کے مضمون میں اتریں نیچے تو ایک اور معنی کا جہان دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کی کائنات میں بڑی وسعتیں ہیں۔ ایک سطحی نظارہ ہے جس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔ ایک سائنٹفک نظارہ ہے جب ایک سائنسدان ایک جگہ پہنچ کر اُس کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اگر تیل کے آثار عام عقل انسان کو دکھائی نہیں دیتے ایک سائنسدان کو دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کھدائی کرتا ہے نیچے پہنچتا ہے، اسے تیل کے چشمے مل جاتے ہیں۔

پس آنحضرت ﷺ بھی خدا کی تخلیق کا ایک شاہکار تھے اور ایسا عظیم شاہکار ہے کہ جہاں تفحص آپ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ میں نے تو جب بھی حدیث نبویؐ پر غور کیا ہے۔ مجھے بہت ہی پیارے حکمت اور عقل کے موتی اُس میں چھپے ہوئے دکھائی دیئے ہیں اور یہ بات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ آپؐ اپنی نیکیوں کو خود ظاہر کر کے دکھاتے نہیں تھے اور جو حکمت آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ اُس کا ذکر تو فرمایا ہے لیکن نمایاں کر کے اٹھا کر دکھایا نہیں کہ دیکھو میں کیسی عقل کی باتیں کر رہا ہوں بلکہ وہ مضامین ہیں جو از خود بہتے چلے جا رہے ہیں اور بنی نوع انسان پر چھوڑ دیا ہے جو چاہے فائدہ اٹھائے، جو چاہے نہ اٹھائے۔ اس میں ایک الٰہی استغناء ملتا ہے۔ ایک غناء کی شان ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی تو کائنات میں بے شمار فوائد مخفی رکھے ہوئے ہیں اور بے شمار حکمتوں کے موتی ہیں جو جگہ جگہ خدائی قانون میں چھپے پڑے ہیں لیکن اگر ایک مسافر سرسری نظر سے اوپر سے گزر جائے اُس کو پتا ہی نہیں کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ اُن کی کنہہ کیا ہے؟ اور اگر غور کریں گے تو آپ کو ہر مضمون کے پیچھے ایک اور دلکش مضمون دکھائی دے گا، اُس کے نیچے ایک اور دلکش مضمون دکھائی دے گا۔ پس جیسا کہ قرآن خدا تعالیٰ کی تخلیق کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اسی طرح ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک عظیم شاہکار ہیں، ایک پوری کائنات ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ خصوصیت سے آنحضرت ﷺ کے فیض سے اس مہینے

میں فیضیاب ہوں۔ وہ ہوا جو چلا کرتی تھی بنی نوع انسان میں خیرات کی خاطر وہ چلنا بند نہیں ہوئی وہ آج بھی جاری ہے، وہ ہوا رمضان میں تیز تر آج بھی ہوتی ہے۔ وہ خزانے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں مدفون ہیں۔ اب بھی وہ حاصل ہو سکتے ہیں اگر کوئی انسان اپنا ہاتھ پھیلائے اور اُن تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اس کا سب سے اہم طریق یہ ہے کہ رمضان مبارک میں خصوصیت سے درود اور سلام بھیجے اور مسلمانوں کے لئے دعا کا بھی بہترین طریقہ یہی ہے کہ آل محمد کے حوالے سے مسلمانوں کے لئے دعا کیا کریں۔ میں تو جب بھی خصوصیت سے کہیں عالم اسلام پر دکھ پڑتا ہے تو درود کے حوالے سے دعا کیا کرتا ہوں۔ اے اللہ جیسے بھی ہیں تیرے محمد ﷺ کے غلام ہیں۔ تیرے عاشق محمد رسول اللہ ﷺ سے پیار کرنے والے ہیں جو کچھ اور بھی ہوں پیار کا دعویٰ رکھتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں اللہ کے حضور عرض کرتا ہوں۔

ع کآخر کنند، دعوائے حب پیمبرم (درثمین فارسی صفحہ:۱۰۷)

امت بگڑ گئی بہت سی برائیوں میں مبتلا ہوگئی، تیرے فضلوں کی مستحق نہ رہی، نہ سہی۔ لیکن تیرے بندے اور ہمارے محبوب آقا محمد رسول اللہ ﷺ کے عشق کا دعویٰ تو رکھتے ہیں۔ **اللھم صلی علیٰ محمدٍ و علی اٰل محمدٍ کماصلیت علیٰ ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید**۔ اس طرح درود پڑھیں تو آپ کی ساری دعائیں امت کے حق میں جانے والی بھی ہو جائیں گی اور زیادہ قبولیت کا درجہ پائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)